درس نظامی کے نصاب اور اصول نصاب سازی کا جائزہ

(Study of the Curriculum and Principles of Curriculum-Making of Dars-e- Niẓāmi)

نیاز محمد*

زینب امین*

Abstract

The most important purpose of education has always been capacity building and personality development of an individual so that he is enabled to be an active and useful member of his society and not only lives his own life successfully but also contributes effectively to fulfill the needs of the society and its uplift. In order to achieve this glorious purpose, the curriculum plays a vital role in education system as the whole system revolves around it. Hence, the curriculum development is considered to be a continuous and dynamic process so that it may cover the needs of individual, society and ever changing dynamic challenges accordingly. The curriculum of the Islamic seminaries in Pakistan, known as "Dars-e-Niẓāmi", developed by Mullā Niẓām-ud-Dīn Sihālvi (died 1748) during the regime of Mughal Emperor Aurangzeb 'Ālamgir (died 1707). This paper aims to study the said curriculum and its principles analytically and to give suggestions for its more effectiveness.

تعلیم کا اولین مقصد ہمیشہ فرد کی صلاحیتوں کی بھرپور نشوونما رہا ہے تاکہ وہ معاشرے کا ایک مفید فرد بن کر نہ صرف معاشرے اور عصری تقاضوں کی مناسبت سے زندگی گزارنے کے قابل ہو بلکہ اس کی بدولت معاشرہ بھی زیادہ سے زیادہ ترقی کرے، اس مقصد کے حصول کے لئے کسی بھی نظام تعلیم کا نصاب مرکزی کردار ادا کرتا ہے کیونکہ تعلیمی عمل نصاب ہی کا مرہون منت ہے اس لئے نصاب سازی کو ایک مسلسل متحرک عمل قرار دیا جاتا ہے تاکہ بدلتے ہوئے تقاضوں، معاشرتی اور انفرادی ضروریات پر خاطر خواہ توجہ دی جاسکے چنانچہ نصاب سازی (Development Curriculum) نظام تعلیم کا اہم شعبہ ہے جس میں مقاصد نصاب (Objectives of Curriculum) کو سامنے رکھ کر نصاب سازی کی جاتی ہے۔

* ڈائریکٹر سینٹر فار ریلیجیس سٹڈیز، کوہاٹ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کوہاٹ

* اسسٹنٹ پروفیسر علوم اسلامیہ، شہید بے نظیر بھٹو خواتین یونیورسٹی' پشاور

پاکستان کے دینی مدارس میں بنیادی طور پر مغل حکمران اورنگ زیب عالمگیر[متوفی:1707ء] کے دور میں ملا نظام الدین سہالوی [متوفی:1748ء] کا مرتب کردہ نصابی ماڈل "درس نظامی" نافذ ہے۔درس نظامی کے ساتھ ارباب مدارس کا ایک جذباتی لگاؤ ہے۔ذیل میں خالص دینی مدرسے درس نظامی کے اصول نصاب سازی اور نصاب کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

درس نظامی کا تاریخی پس منظر:

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی حکومت کی بنیاد سلطان محمود غزنوی [متوفی: اپریل 1030]نے رکھی تھی، اس کے زیر اثر ہندوستان میں دینی تعلیم کا جو نصاب تشکیل پایا تھا اس میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، کلام، عربی ادب، نحو اور منطق کے مضامین شامل تھے۔ اس نصاب تعلیم میں مذہبی مضامین کا حصہ زیادہ تھا[1]۔اس نصاب میں سلاطین غزنویہ[1451-1526ء] کے سلطان سکندر لودھی کے دور حکومت [1489-1550ء] تجدیدی کوشش کی گئی اور مذہبی علوم کے مقابلے میں عقلیات کا اضافہ کیا گیا[2]۔

برصغیر کے مدارس کے نصاب تعلیم میں مغلیہ دور حکومت کے اکبر اعظم [م: 1605ء]کے عہد میں بڑی نمایاں ترقیات ہوئیں۔وہ مذہبی آزادی کا زبردست حامی تھا چنانچہ اس نے مذہبی تفریق کے بغیر ہر مذہب اور فن کے ماہرین کو اپنے دربار میں جگہ دی۔اس پس منظر میں اس دور کے مدارس کے نصاب میں بھی بڑی ہمہ گیری پیدا ہوئی تھی چنانچہ نصاب میں شہریت، معاشیات، فلکیات، طبعیات، حساب اور طب بلکہ موسیقی تک کو نصاب کا حصہ بنا دیا گیا تھا[3] چنانچہ ہندوستان کے کئی علماء کا فن موسیقی سے مناسبت کے تذکرے کتب تراجم میں ملتے ہیں۔ہندوستان کے مشہور مسلم صوفی اور شاعر حضرت امیر خسرو بھی موسیقی میں کمال رکھتے تھے۔اکبر بادشاہ کے دور کے مشہور مؤرخ ملا عبد القادر بدایونی کو بھی موسیقی سے فنی مناسبت تھی[4]۔

نصاب میں اس وسعت کے نتیجے میں ہر گریجویٹ کو اپنے فطری ذوق و دلچسپی کی بنیاد پر آگے چل کر کسی نہ کسی میدان میں اختصاص کا مقام حاصل کرنے کا موقع ملتا اور نام کماتا۔ نظام تعلیم ایک ہی ادارہ میں پڑھنے والے مختلف طلباء کو مضامین کے انتخاب کا وسیع موقع فراہم کرتا کہ ہر طالب علم اپنی خواہش اور فطری صلاحیتوں کے مطابق اپنے حسب منشاء مضامین کا انتخاب کرے چنانچہ ڈاکٹر محمود غازی ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے زیر سرپرستی اہل علم کے ہاتھوں تشکیل دیئے جانے والے نصاب تعلیم کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ نظام تعلیم یا نصاب تعلیم دین و دنیا دونوں کی جامعیت کا آئینہ دار تھا۔اس نظام تعلیم نے مجدد الف ثانی جیسے بزرگ بھی پیدا کیے یہ اور نواب سعد اللہ خان دونوں ایک ہی استاد کے شاگرد تھے۔نواب سعد اللہ خان وہ سیاست دان ہیں جو شاہ جہان کے دور میں پورے ہندوستان (یعنی موجودہ افغانستان، پاکستان، موجودہ ہندوستان، موجودہ بنگلہ دیش، موجودہ سری لنکا اور موجودہ نیپال) کم از کم یہ چھے ملک اتنی بڑی سلطنت میں شامل تھے جس کا نواب سعد اللہ خان کم از کم اڑتالیس سال

وزیر اعظم رہا ہے، گویا بڑی بڑی سلطنتیں چلانے والے مدبرین اور اعلی سے اعلی دینی قیادتیں فراہم کرنے والے بزرگان (جو مجدد الف ثانی کے درجے کے لوگ ہوں) اسی نظام تعلیم نے پیدا کیے تاج محل جس انجنیئر نے بنایا وہ اسی نظام تعلیم کا پڑھا ہوا تھا جس سے اس نے تاج محل جیسی عمارت بنائی جو آج دنیا کے سات عجائبات میں سے ایک نمایاں عجوبہ ہے[5]۔

اکبر اعظم کے دور کی روایت کے خلاف مدارس کے نصاب میں بعد ازاں مغل حکمران اورنگ زیب عالمگیر [م: فروری 1707ء] کے دور میں U ٹرن کی صورت نظر آتی ہے جب اس بادشاہ کی معاونت سے ملا نظام الدین سہالوی [م: مئی 1748ء] [6] نے لکھنؤ میں "فرنگی محل" نامی جگہ اپنا مدرسہ قائم کیا[7] جو فرنگی محل کی نسبت سے تاریخ میں مدرسہ فرنگی محل مشہور ہوا۔ اس مدرسے کے لئے انہوں نے ایک نصاب بنایا جو ان کے نام کی مناسبت سے "درس نظامی" کے عنوان سے مشہور ہوا۔ پاکستانی مدارس کے نصاب کی بنیاد یہی درس نظامی ہے جو قدرے ترمیم و اضافہ کے ساتھ نافذ ہے، ملا نظام الدین سہالوی کا مرتب کردہ نصاب درج ذیل ہے[8]۔

۱۔ تفسیر: جلالین: جلال لدین سیوطی (م ۹۱۱ھ / 1505ء) و جلال الدین محلی (م ۸۶۴ھ / 1459ء)، بیضاوی: ناصر الدین بیضاوی (م ۶۸۵ھ / 1286ء)

۲۔ حدیث: مشکوۃ المصابیح (مکمل): ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م ۷۶۰ھ)

۳۔ فقہ: ہدایہ: علامہ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ / 1197ء)، شرح وقایہ (ثانی): عبید اللہ بن مسعود صدر الشریعہ (م ۷۴۷ھ / 1346ء)

۴۔ اصول فقہ: توضیح و تلویح: سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ / 1389ء)، نور الانوار: شیخ احمد بن ابی سعید ملا جیون (م ۱۱۳۰ھ / 1718ء)، مسلم الثبوت: قاضی محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ / 1707ء)

۵۔ نحو: نحو میر: سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ / 1413ء)، شرح مائۃ عامل: حسین بن عبد اللہ نوقانی (م ۹۲۶ھ / 1520ء)، ہدایۃ النحو: ابو حیان، محمد بن یوسف بن علی (م ۷۴۵ھ / 1344ء)، کافیہ: ابن حاجب (م ۶۴۶ھ / 1249ء)، شرح جامی: نور الدین عبد الرحمن جامی (م ۸۹۸ھ / 1492ء)

۶۔ صرف: میزان: ملا حمزہ بدایونی، منشعب: ملا حمید الدین کاکوری (م ۱۲۱۵ھ / 1801ء)، صرف میر: سید شریف جرجانی (م ۸۱۶ھ / 1413ء)، پنج گنج: سراج الدین اودھی (م ۷۵۸ھ)، زبدہ: ظہیر بن محمود بن مسعود علوی، فصول اکبری: قاضی علی اکبر حسینی آلہ آبادی (م ۱۰۹۰ھ / 1678ء)، شافیہ: ابن حاجب (۶۴۶ھ / 1249ء)

۷۔ بلاغت: مختصر المعانی: سعد الدین تفتازانی(۷۹۲ھ / 1389ء)، مطول: سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی(م ۷۹۲ھ / 1389ء)

۸۔ کلام: شرح عقائد نسفی: سعد الدین تفتازانی، شرح عقائد جلالی: جلال الدین دوانی(م ۹۰۸ھ / 1502ء)، شرح مواقف: سید شریف جرجانی(م ۸۱۶ھ / 1413ء)، رسالہ میر زاہد: میر محمد زاہد ہروی(م ۱۱۰۱ھ / 1690ء)

۹۔ منطق: قطبی: قطب الدین رازی، سلّم العلوم: قاضی محب اللہ بہاری، میر قطبی: میر سید شریف جرجانی، صغریٰ: میر سید شریف جرجانی(م ۸۱۶ھ / 1413ء)، کبریٰ: میر سید شریف جرجانی(م ۸۱۶ھ / 1413ء)، ایساغوجی: اثیر الدین ابہری (۷۴۵ھ / 1344ء)، تہذیب: سعد الدین تفتازانی(م ۷۹۲ھ / 1389ء)، شرح تہذیب: عبد اللہ یزدی(۹۸۱ھ / 1575ء)

۱۰۔ فلسفہ / حکمت: شرح ہدایۃ الحکمۃ(میبذی): میر حسین میبذی(م ۱۰۹۶ھ / 1685ء)، صدرا: صدر الدین محمد بن ابراہیم (م ۱۰۵۱ھ / 1640ء)، شمس بازغہ: ملا محمود بن شیخ محمد بن شاہ محمد فاروق جون پوری(م ۱۰۶۲ھ / 1652ء)

۱۱۔ ریاضی: خلاصہ الحساب: بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۱ھ / 1622ء)، تحریر اقلیدس: خواجہ نصیر الدین طوسی(م ۶۷۲ھ / 1275ء)، تشریح الافلاک: بہاء الدین عاملی(م ۱۰۳۱ھ / 1622ء)، رسالہ قوشجیہ: علاء الدین قوشجی (م ۸۷۹ھ / 1474ء)، شرح چغمینی: علامہ موسیٰ پاشارومی(م ۸۲۳ھ / 1437ء)

درس نظامی پر تبصرہ وجائزہ:

درس نظامی پر تبصرہ وجائزہ کو درج ذیل عناوین وتفصیل کے تحت بیان کیا جاتا ہے:

۱: مضامین اور کتابوں کی تعداد: گیارہ مضامین اور اس کے لئے مقررہ تینتالیس کتب پر مشتمل اس نصاب میں معقولات کی کتابوں کی تعداد بیس تھی جن میں سے منطق کی آٹھ، حکمت کی تین، کلام کی چار اور ریاضی کی پانچ کتابیں شامل تھیں۔ اس طرح نصاب کا تقریبا نصف حصہ علوم عقلیہ پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد علوم لسانیات کا درجہ تھا جس میں چودہ کتابیں شامل تھیں جن میں سے صرف کی سات، نحو کی پانچ اور بلاغت کی دو کتابیں شامل تھیں۔ علوم عالیہ یعنی خالص دینی مضامین کی کل نو کتابیں تھیں جن میں سے فقہ پر دو(وہ بھی پوری نہیں پڑھائی جاتی تھیں)، اصول فقہ میں چار، تفسیر میں دو اور حدیث میں ایک کتاب شامل تھی اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ خالص دینی کتابوں کی تعداد سب سے کم ہی نہیں تھی بلکہ ان میں سے بیشتر کتابوں کے صرف منتخب حصے پڑھائے جاتے تھے۔

۲: مضامین کا تناسب: نصاب میں شامل علوم کا باہم اجتماعی تناسب اعداد وشمار میں درج ذیل ہے:

نمبر شمار	علوم / مضامین	تعداد مقررہ کتب	نصاب میں فی صدی تناسب
1	علوم عالیہ (تفسیر، حدیث، فقہ، اُصول فقہ)	9	21٪
2	علوم عقلیہ (منطق، حکمت، ریاضی، کلام)	20	47٪
3	علوم لسانیات / آلیہ (صرف، نحو، بلاغت)	14	32٪

۳: مضامین کے لئے کتابوں کے انتخاب کے اصول:

ملا نظام الدین سہالوی نے کتابوں کے انتخاب کے لئے درج ذیل اصول اپنائے[9]:

الف: مشکل ترین کتاب: کوشش کی گئی کہ ہر فن کی وہ کتابیں ملی جائے کہ انداز بیان کے اعتبار سے اس فن میں اس سے زیادہ مشکل اور دقیق کتاب نہ ہو حتیٰ کہ اس مقصد کے لئے چیستان (پہیلی) قسم کی کتابیں تلاش کر کر کے لیں۔

ب: مختصر ترین کتاب: مشکل ترین کتاب کے انتخاب کی خاطر جامع اور مختصر ترین کتابوں کے انتخاب کی کوشش کی گئی۔ تاکہ کم سے کم الفاظ میں جب موضوع کا مواد بیان کیا جائے گا تو کتاب کی عبارت اختصار کی وجہ سے دقیق ہو جائے گی۔ مذکورہ بالا کی وضاحت کے لئے بطور نمونہ صرف ایک کتاب (کافیہ) کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے[10]: اس کتاب کا موضوع عربی گرامر (نحو) ہے ۔یہ تیرہویں صدی عیسوی کے مشہور مصری مالکی عالم ابن حاجب (متوفی ٦٤٦ھ/1249ء) کی تصنیف ہے۔ بنیادی طور پر تیرہویں صدی میں لکھی گئی یہ کتاب ایک صدی پہلے یعنی بارہویں صدی عیسوی کے مشہور معتزلی عالم جاراللہ زمخشری (متوفی ٥٦٨ھ/1134ء) کی عربی گرامر میں تصنیف "المفصل" کے مضامین کا نچوڑ بیان کیا گیا ہے۔ کافیہ اس دور کے انداز تحریر کی نشانی ہے کہ جب عالم اسلام میں درسی کتب کی تصنیف میں پیچیدہ اور پہیلیوں کی حد تک مشکل انداز اپنانا کمال سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ ابن الحاجب کو اس کتاب کی تصنیف کے بعد اس کی تشریح و توضیح میں خود اس کی شرح لکھنی پڑی۔ اس مشکل کتاب کے پیچیدہ عبارتوں کی تشریح کے لئے ہر دور میں شروحات لکھی گئیں لیکن شاید یہ بات تعجب سے پڑھی جائے کہ بعض علماء کی اس کتاب سے اتنی عقیدت بڑھی کہ انہوں نے اسے تصوف کی کتاب قرار دے کر نحوی انداز کی تشریح کے بجائے اس کے عبارت کی تصوفانہ تشریح کی[11]۔ A4 سائز صفحات میں اگر 16 فانٹ سے لکھا جائے تو اصل کتاب کا حجم چالیس صفحات سے زیادہ نہیں ہو گا لیکن اپنے مخصوص انداز بیان کی وجہ سے اس کتاب کے ایک ایک جملے کی وضاحت میں اساتذہ کے کئی کئی دن صرف ہو جاتے ہیں اور اس طرح پورے تعلیمی سال میں بڑی مشکل سے اس کی تدریس مکمل ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب استخراجی طریقے کے بجائے استقرائی طریقے پر ہے اس لئے اس طرح کتاب کے پڑھنے سے طلباء میں نحوی استنباط و استخراج کا ملکہ پیدا نہیں ہوتا۔

ملحوظ رہے کہ مذکورہ بالا کتاب مدارس کے ثانویہ خاصہ (انٹر میڈیٹ) سال اول میں پڑھائی جاتی ہے۔

۴: درس نظامی کی تشکیل کے مقاصد[12]:

درس نظامی میں منتہی کتابوں میں حتی الامکان ہر فن کی وہ کتابیں درس میں رکھی گئیں جو اس فن میں مشکل کتاب شمار ہوتی تھی۔ ملا نظام الدینؒ کا خیال تھا کہ کوئی کتاب جتنی مشکل ہوگی اتنی ہی زیادہ محنت اسے سمجھنے کے لئے کرنی پڑے گی اور اسی قدر فکر کی پرواز بلند ہوگی، نظر گہری ہوگی اور قوتِ فہم بڑھے گی۔ جو مقصد مشکل و دقیق کتابیں پورا کرتی ہیں وہ مختصر کتابوں سے ہی پورا ہوتا ہے اس لئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہر فن کی مختصر ترین کتاب نصاب میں شامل کی گئیں۔ دقیق ہونے کے ساتھ ساتھ کتاب اگر مختصر اور مجمل ہو تو قوت فکر کی اچھی طرح ورزش ہوتی ہے اور جتنی زیادہ سخت ورزش ہوگی اتنی ہی زیادہ قوت فہم و فراست بڑھے گی اس طرح درس نظامی کے تشکیل کے درج ذیل دو مقاصد سامنے آتے ہیں:

الف: قوت مطالعہ کو پروان چڑھانا: ملا نظام الدین سہالویؒ کے مدّ نظر یہ بات تھی کہ اس قسم کے مشکل اور دقیق نصاب کو جب طلباء پڑھ کر فارغ ہوں تو ان میں کمال درجے کا قوت مطالعہ پیدا ہوگا اور ان کو کسی بھی مشکل سے مشکل کتاب سے استفادہ کرنا ان کے لئے مشکل اور ناممکن نہ ہوگا چنانچہ اس نصاب کے پڑھنے سے کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہوتا تھا لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہوتی تھی کہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد جن فن میں چاہے آئندہ محض اپنی محنت سے طالب علم اس میں اچھی طرح کمال پیدا کر سکتا تھا۔

ب: فکر و نظر کی گہرائی: اس قسم کے گہرے نصاب کو سمجھنے کے لئے طالب علموں کو زیادہ محنت کرنی پڑے گی اور قوت فکر کی اچھی ورزش ہوگی اور جتنی زیادہ سخت ورزش ہوگی اسی قدر فکر و نظر (عقل نظری) کی گہرائی پیدا ہوگی۔ فکر و نظر یعنی عقل نظری نشو و نما درس نظامی کی تشکیل کی فلسفیانہ بنیاد تھی۔

درس نظامی کے مذکورہ بالا مقاصد کا فلسفہ تعلیم کی روشنی میں جائزہ:

تعلیم کا مقصد ایک طرف نئی نسل کو ثقافتی سرمایہ منتقل کرنا ہے تو دوسری طرف فرد کے قوت فکر کی نشو و نما مقصود ہے۔ قوت فکر میں عقل نظری اور عقل استقرائی دونوں کی نشو و نما شامل ہے۔ عقل نظری کا تعلق منطق و فلسفہ سے ہے جب کہ عقل استقرائی کا تعلق طبیعیات، کیمیا اور حیاتیات وغیرہ کے طبعی علوم اور تاریخ و اجتماعیات وغیرہ کے عمرانی علوم سے ہے[13]۔ ملا نظام الدینؒ نے اسے صرف عقل نظری کی نشو و نما تک محدود رکھا اور ان کے نزدیک تعلیم کا اصل مقصد عقل و فکر و فہم کی نشو و نما تھا یہی وہ فلسفہ تھا جس کی بنیاد پر درس نظامیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ نصاب کی تشکیل میں اس فلسفیانہ بنیاد (عقل نظری) کی وجہ سے ملا نظام

الدینؒ نے نہ تو منطق و فلسفے کے طبعیات وحیاتیات وغیرہ کے علوم درس میں شامل کئے، اور نہ ہی تصوف و اخلاق کی کوئی کتاب رکھی۔ اس طرح عقل استقرائی سے متعلق مضامین کو شامل نہ کرنے کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔

۵: نصابی کتابوں کے انتخاب میں وسعت ظرفی: ملا نظام الدین سہالویؒ نے درس نظامی کی تشکیل میں انتہائی مذہبی وسعت ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے چنانچہ فقہ حنفی کے مقلد ہونے کے باوجود انہوں نے غیر حنفی اور غیر سنی مسلک کے مصنفین کی کتابوں کو بھی نصاب میں شامل کیا۔ تفسیر قرآن کے نصاب کے لئے مقررہ تفاسیر (جلالین کے دونوں مصنفین جلال لدین سیوطیؒ[م:۹۱۱ھ / 1505ء] وجلال الدین محلیؒ[م:۸۶۴ھ/1459ء]اور بیضاوی کے مصنف ناصر الدین بیضاویؒ [م:۶۸۵ھ / 1286ء] اور حدیث کے نصاب کی واحد مقررہ کردہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے مصنف ولی الدین عراقی[م:۷۶۰ھ]شافعی علماء ہیں۔ عربی گرامر (نحو) میں شرح مائۃ عامل رکھی جس کے متن "مائۃ عامل" کے مصنف عبد القاہر[م:۱۰۸۱ء] بھی شافعی المسلک تھے۔ نحو کے نصاب میں "کافیہ" اور صرف کے نصاب میں "شافیہ" ہر دو کتابوں کے مصنف ابن حاجب[م:۶۴۶ھ /1249ء]مالکی المسلک تھے۔ سنیوں کے علاوہ شیعہ حضرات کی کتب بھی نصاب میں رکھیں چنانچہ فلسفہ و حکمت میں صدرا نامی کتاب کے مصنف صدرالدین شیرازی[م:۱۰۵۱ھ /1640ء]، ریاضی کی کتاب خلاصۃ الحساب اور تشریح الافلاک نامی کتاب کے مصنف بہاءالدین عاملی[م:۱۰۳۱ھ /1622ء]، تحریر اقلیدس کے مصنف خواجہ نصیر الدین طوسی[م ۶۷۲ھ /1275ء]، کے مصنف شیعہ علماء ہیں۔ منطق میں قطبی نامی کتاب کے مصنف قطب الدین رازی[م:۸۶۶ھ /1364ء] بھی ایک تحقیق کے مطابق شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔

اگرچہ ملا نظام الدین نے فقہ حنفی کی دو کتابیں(ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی[م:۵۹۳ھ/1197ء]اور شرح وقایہ عبید اللہ بن مسعود، صدر الشریعہ[م:۷۴۷ھ/1346ء])نصاب میں شامل کیں۔ تاہم شرح وقایہ میں صرف عبادات کا حصہ اور ہدایہ لیا اور اس میں سے معاملات کا حصہ چھوڑ دیا جب کہ ہدایہ میں عبادات کا حصہ چھوڑ کر صرف معاملات کا حصہ نصاب میں لیا۔ فقہ کی ہر کتاب دو حصوں (عبادات و معاملات) پر مشتمل ہوتی ہے اس طرح دونوں کتابوں کا ایک ایک حصہ لیا اور ایک ایک حصہ چھوڑ دیا یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور استاذ اور بعد ازاں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن شعبہ دینیات کے سربراہ مشہور اسلامی مؤرخ سید علامہ مناظر احسن گیلانی[م:5جون1956ء] کے بقول فقہی مسائل کی تقسیم کے لحاظ سے دیکھا جائے تو گویا عملاً فقہ کی ایک ہی کتاب کا مواد پڑھایا جاتا ہے[14]۔

۶: فرقہ وارانہ رواداری: درس نظامی میں اصلاح و تجدید کی تحریک، ندوۃ العلماء ہند کے بانی اور مشہور اسلامی رائٹر علامہ شبلی نعمانی[م: نومبر1914ء] کے مطابق مختلف مسالک کی کتابوں کو نصاب میں شامل کرنے کا یہ فائدہ رہا کہ فضلاء میں ظاہر

پرستی، سختی اور مسلکی بے جا تعصب پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ملا نظام الدین کا "مدرسہ فرنگی محل" لکھنؤ میں واقع تھا اور آبادی کی تناسب کی بنیاد پر شیعہ سنی جھگڑا سب سے زیادہ لکھنؤ میں پیدا ہو سکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ مدرسہ فرنگی محل سے بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے لیکن ان میں سے کسی نے مذہبی مناظرات کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔[15]

۷: نظام تعلیم سے تصوف کو نکالنا: درس نظامی سے پہلے ہندوستان کے دینی مدارس کے نصاب میں اسلامی تصوف نصاب کا لازمی حصہ ہوا کرتا تھا۔ ملا نظام الدین نے تصوف کو اپنے نصاب سے خارج کر دیا جو برصغیر پاک و ہند کی اسلامی نظام تعلیم کی روایت کے منافی تھا[16]۔ اس کی ممکنہ وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاید ملا نظام الدین سہالوی تصوف کو کسی تدریسی عمل کے بجائے عملی تربیت سمجھتے تھے اور وہ ایک تعلیمی ادارے کو صرف نصابی(Academic) سرگرمیوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے جب کہ تصوف ان کی نگاہ میں کوئی نصابی سرگرمی نہیں تھی۔ یہاں یہ تاریخی نقطہ بھی سامنے رہے کہ ملا نظام الدین سہالوی کا اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ اچھے روابط تھے اور ملا نظام الدین کو مدرسے کے لئے انہوں نے ہی جگہ فراہم کی تھی۔ عالمگیر کا تصوف کے ساتھ رویہ تاریخی اعتبار سے کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا چنانچہ اس نے نہ صرف عظیم بزرگ حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد سرہندی[م:13نومبر1624ء]جن کو علامہ محمد اقبال[م:1938ء] مسلم ہندوستان کا سب سے بڑا Religious genius قرار دیا تھا اور جس کو ہندو پاک کے مسلمان سکالرز دوسری ہزار یے(2nd Millennium) قرار دیتے ہیں[17]، کے تصوف پر مبنی خطوط "مکتوبات امام ربانی" پڑھنے پر پابندی لگائی تھی بلکہ ہندوستان کے صوفی عالم محب اللہ الہ آبادی[م:1648ء] کی تصوف کی کتاب "تسویہ" کو جلانے کا حکم دیا تھا[18] لہذا اس بات کے بھی قوی امکانات ہیں کہ ملا نظام الدین سہالوی نے اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ اپنے تعلقات کے پس منظر میں تصوف کو اپنے نصاب میں جگہ نہ دی ہو۔

تحمل و رواداری، تکثیریت(Pluralism) پر مبنی معاشرے میں بہتر انسانی روابط، کردار سازی اور اخلاقیات کے لئے درس و تدریس کے ساتھ اسلامی تصوف کی تعلیم نظامِ تعلیم کا ایک لازمی حصہ رہا تھا تاہم درس نظامی کے نصاب سے اسے خارج کر دیا گیا جس کی بنا پر مذکورہ بالا اعلیٰ اخلاقی صفات کا حصول متاثر ہوا چنانچہ اسلامی تصوف کو درس نظامی سے خارج کرنے پر کڑی تنقید کی گئی ہے اور مدارس کے فضلاء کے کردار میں سختی اور عدم رواداری جیسے صفات پیدا ہونے کو اس کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے[19]۔

۱۸۶۶ء میں دارالعلوم کے قیام پر ملا نظام الدین سہالوی کے مرتب کردہ نصاب ہی کو جزوی تبدیلیوں کے بعد دارالعلوم میں بطور نصاب اپنایا گیا اور اگرچہ نصاب میں سلوک و احسان یا تزکیہ و تصوف کو بطور نصابی مضمون نہیں اختیار کیا گیا تاہم دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کے متعلق مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں:

"... وہاں کے تمام طلبہ درسیات سے فراغت کے فوراً بعد کسی شیخ کامل سے اصلاح وتربیت کا تعلق قائم کرتے تھے۔ آج علماء دیوبند کی فہرست میں جن اصحاب کے اسماء گرامی اپنی علمی کارناموں کے لئے معروف اور ممتاز ہیں وہ سب کسی نہ کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے۔ دار العلوم دیوبند کے عہد شباب میں کسی ایسے استاذ کا تصور تقریباً ناممکن تھا جو کسی شیخ کامل سے وابستہ نہ ہو اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اساتذہ صرف علمی استعداد ہی نہیں بلکہ کردار وعمل اور جذبے سے سرشار، ان کے جذبات پاکیزہ، ان کے اخلاق جلا یافتہ اور ان کے ذہن دنیا طلبی اور جاہ پرستی کے فتنوں سے پاک ہوتے تھے اور وہ صرف اللہ کی رضاجوئی کی خاطر درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ اب دینی مدارس اور ان کے فارغ التحصیل حضرات میں اپنی اصلاح وتربیت کے لئے کسی شیخ کامل سے رجوع کرنے کا ذوق ختم ہو جارہا ہے"[20]۔

حقیقت یہ ہے کہ درس وتدریس کے ساتھ کردار سازی یا اخلاقیات نظامِ تعلیم کا ایک لازمی حصہ رہا تھا اور اس کے لئے تصوف و سلوک کی کتابیں رائج تھیں تاہم درس نظامی کے نصاب سے اسے خارج کر دیا گیا۔ تصوف واخلاق یا سلوک واحسان کی کتب کے سلسلے میں مولانا تقی عثمانی تجویز دیتے ہیں کہ امام غزالیؒ کی ہدایۃ الہدایہ، اربعین، احیاء العلوم کے منتخب حصے، حضرت امام سہروردی کی عوارف المعارف، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی التکشف اور التشرق وغیرہ مختلف درجات میں رکھی جا سکتی ہیں[21]۔ عصر حاضر میں پھر سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ اسلامی تصوف کو دینی مدارس کے نصاب کا حصہ بنایا جائے[22]۔

۸: درس نظامی کی تشکیل کا ملا نظام الدین کی طرف نسبت کا جائزہ:

درس نظامی اگرچہ ملا نظام الدین سہالویؒ کی طرف منسوب ہے لیکن شائد یہ بات دلچسپی کی باعث ہو کہ درحقیقت اس کی تشکیل ایک پشت اوپر یعنی ان کے والد قطب الدین سے شروع ہوتی ہے اس لئے اس نصاب کے مرتب وہی قرار پاسکتے ہیں۔ یہ بات ندوۃ العلماء کے رسالہ " الندوہ" کے شمارہ دسمبر ۱۹۱۰ء میں کہی گئی ہے اور پھر علامہ شبلی نعمانی کے مقالات میں "الندوہ" کے اس مضمون کو شامل کیا گیا[23]۔

شبلی نعمانی کے علاوہ شاہ سلیمان سجادہ نشین پھلواری کا بھی یہ خیال ہے کہ درس نظامی کو کلّی طور پر ملا نظام الدین سہالویؒ کا مرتب کردہ نصاب کہنا درست نہیں کیونکہ ملا نظام الدین سہالویؒ کا تصوف سے بھی خصوصی تعلق تھا اور صوفی منش انسان تھے (سید سلیمان شاہ نے ملا نظام الدین سہالوی کے لئے صوفی صافی غالی مشرب کے الفاظ استعمال کئے ہیں)، اگر وہ اس نصاب کو مرتب کرتے تو تصوف یا اخلاق کی کوئی کتاب اس میں ضرور داخل کرتے[24]۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ملا نظام الدین سہالویؒ نے چالیس برس کی عمر میں شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر تصوف کا رنگ ان پر غالب آگیا تھا[25]۔

یہ کوئی بعید بات نہیں کہ درس نظامی کا خاکہ ملا نظام الدین کے والد بزرگوار نے بنایا ہو کیونکہ ملا نظام الدین سہالویؒ کے والد محترم خود جید عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ لکھنو کے قصبہ سہالہ میں انہوں اپنا حلقہ درس قائم کیا تھا ان کے حلقہ درس نے نہایت وسعت حاصل کی اور ان کے شاگردوں میں کئی ایسے علماء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے الگ الگ حلقہ درس قائم کئے اور ہندوستان کے دینی نظام تعلیم پر وہ چھاگئے [26]۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں بھی یہ اظہار کیا گیا ہے کہ درس نظامی کا نصاب تنہا ملا نظام الدین سہالویؒ کا مرتب کردہ نہیں بلکہ اس کی اساس ان کے والد پہلے رکھ چکے تھے [27]۔ ملا نظام الدین کے والد کا حلقہ درس ان کے آبائی قصبے سہالہ میں تھا۔ ان کی شہادت کے بعد ملا نظام الدین سہالویؒ تاریخی مقام فرنگی محل منتقل ہوئے سہالہ کے مقابلہ میں فرنگی محل زیادہ مشہور تھا اس لئے سہالہ کے حلقۂ درس پر فرنگی محل کی شہرت غالب آگئی اور یہ نصاب سہالہ حلقہ درس کے استاد ملا قطب الدین کے بجائے فرنگی محل کے حلقہ درس کے استاد ملا نظام الدین کی طرف منسوب ہونے لگا۔ اس طرح یہ بات کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ درس نظامی کا خاکہ ایک پشت اوپر یعنی ملا نظام الدین کے والد نے بنایا ہو اس لئے اس نصاب کے حقیقی مرتّب کہلانے کے وہی مستحق ہیں۔

درس نظامی کا تنقیدی جائزہ لینے کے عمل میں یہ بات افادیت سے خالی نہیں ہوگی کہ اس نصاب کی قبولیت کے اسباب کا بھی ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے۔ ہمیں درس نظامی کی قبولیت کے مندرجہ ذیل اسباب نظر آتے ہیں:

ا: ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر[1658-1707ء] عالم وفاضل اور بہت زیادہ مذہبی اور متقی بادشاہ کے طور پر مشہور تھے۔ ان کے دور میں اسلامی روایات کو عروج حاصل ہوا۔ عالمگیر اور ملا نظام الدین سہالویؒ کے درمیان اچھے علمی روابط تھے چنانچہ ملکی معاملات کو اسلامی اصولوں پر چلانے کے لئے مشہور فقہی دستاویز "فتاویٰ عالمگیری" کی تدوین کے لئے عالمگیر نے ملا نظام الدین سہالویؒ ہی کی سربراہی میں ہندوستان کے ممتاز علمائے دین کی ایک مجلس علمی قائم کی تھی اس کی سربراہی ملا نظام الدین کے حوالے کرنا پورے ہندوستان کے علماء میں ان کی سرکردہ حیثیت کا اعتراف تھا اور پھر ملا نظام الدین سہالویؒ نے اپنے مدرسے کا جس تاریخی محلہ "فرنگی محل" سے آغاز کیا وہ بھی عالمگیر کا عطا کردہ تھا۔ اس طرح عالمگیر جیسے بادشاہ کی سرپرستی، ملا نظام الدین سہالویؒ جیسی قد آور علمی شخصیت اور ڈچ تاجر کی طرف منسوب فرنگی محل کی تاریخ حیثیت نے درس نظامی کی شہریت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ چونکہ اورنگ زیب عالمگیر کے جانے کے بعد بھی برصغیر میں ایک صدی سے زائد عرصے تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی اس لئے چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کے باوجود بھی ملا نظام الدین سہالویؒ کا مرتب کردہ نصاب تعلیم جاری رہا۔

۲: مابعد ادوار کے معروضی حالات کی وجہ سے بھی ملا نظام الدین سہالویؒ کے نصاب کو شہرت و قبولیت عامہ نصیب ہوئی چنانچہ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے تین صوبوں (بنگال، بہاراور اڑیسہ) پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے معاملات کو شریعت اسلامی کے مطابق طے کرنے کے لئے مسلمان قاضی اور مفتیانِ کرام کی ضرورت محسوس ہوئی تو انہوں نے درس نظامی کے فضلاء کی علمی مہارت اور عوام میں ان کی قبولیت و پذیرائی کا مشاہدہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اسی درسِ نظامی کے فارغ التحصیل حضرات کو قاضی و مفتی مقرر کیا جائے چنانچہ بڑے پیانے پر ملا نظام الدین سہالوی کے تعلیم گاہ "مدرسہ فرنگی محل" کے فضلاء کی مانگ ہونے لگی اس پس منظر میں بڑے پیانے پر ہندوستانی مدارس میں اس نصاب کو اپنایا گیا[28]۔

۳: جب ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد ۱۸۶۶ء میں جب دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو قدرے تبدیلی کے بعد درس نظامی کے نصاب ہی کو لیا گیا اسی طرح دیگر مدارس بھی جو قائم ہوتے رہے تو انہوں نے درس نظامی کا نصاب ہی اپنایا کیونکہ ان کے سامنے اسی نصاب کا نمونہ موجود تھا۔

۴: قیام پاکستان کے بعد علماء نے دینی مدارس قائم کئے تو چونکہ انہوں نے اسی نظام کے تحت تعلیم حاصل کی تھی اس لئے انہوں نے اپنے مدارس میں اسی نصاب کو رائج کیا۔

۵: چونکہ اس نصاب میں دیوبندی، بریلوی، یا شیعہ سنی کسی قسم کی فرقہ وارانہ نصابی مواد نہیں تھا اس لئے اصولی طور پر اس نصاب کو تمام فرقوں نے اپنے ہاں رائج کیا اس سے بھی اس نصاب کو قبولیت اور ایک مذہبی تقدس ملا۔

۶: مذہبی طبقے میں اپنے اسلاف سے انتہائی عقیدت کا جذبہ پایا جاتا ہے اور پھر طبقہ علماء عام طور پر جدیدیت کے مقابلے میں قدامت پرست واقع ہوا ہے۔ چونکہ یہ نصاب ان کے قدیم اسلاف کا تیار کردہ ہے اور ان کے اساتذہ نے اسی نصاب کو پڑھا اور پڑھایا ہے اس طرح درس نظامی کی قبولیت و بقاء کا ایک بڑا راز علماء میں قدامت پرستی، اسلاف سے تقدس اور عقیدت مندانہ روش بھی ہے[29]۔

خلاصہ و تجاویز:

پاکستان کے دینی مدارس میں بنیادی طور پر ملا نظام الدین سہالوی [متوفی:1748ء] کا نصابی ماڈل نافذ ہے جس میں بیشتر کتابیں چھ سو اور سات سو سال پہلے لکھی گئی ہیں۔ یہ نصابی مواد صدیوں پہلے اس وقت کے مزاج کے مطابق تحریر کیا گیا تھا جب درسی کتب کی تصنیف میں مشکل اور پیچیدہ (Complicated) انداز بیان قابلیت کی نشانی تھی جن کے سمجھنے میں طلبہ کا غیر ضروری طور

پر کافی وقت صرف ہو جاتا اور پھر بجائے فن سیکھنے کے اس کتاب(text)ہی کو سمجھ پانا کمال سمجھا جاتا تھا۔ یہ بیشتر کتابیں استقرائی انداز بیان کی پیں بحن کی وجہ سے طلبہ میں مطلوبہ فن شناسی اور استخراجی ذوق نہیں پیدا ہوتا۔

نیز اسلامی نصاب تعلیم کا مزاج وحدت کا تصور پیش کرتا ہے۔ وہ دین و دنیا اور مادہ و روح کے تناقض کو دور کرتا ہے یعنی نصاب بیک وقت دینی بھی ہوتا ہے اور دنیاوی بھی، تاکہ انسان دنیا کو دین کے حوالے سے سمجھے اور دین کی تطبیق اسی متحرک اور تیز رفتار دنیا میں کر سکے۔ اسلامی نصاب تعلیم کی اہم نفسیاتی بنیاد(Psychological Base) یہ ہے کہ ساری دنیا دین کا موضوع ہے اور دین در حقیقت انسان کی بنیادی فطرت ہے۔ اسلام کا پورا فلسفہ نصاب اسی نکتہ میں پوشیدہ ہے۔ یہ نہ ترک دنیا کی تعلیم دیتا ہے اور نہ غلو فی الدنیا کی۔ چنانچہ متوازن اسلامی نصاب کی تشکیل کا مقصد اعلیٰ ایسے متوازن اور صحت مند افراد کی تیاری ہے جو ہر دور اور ہر شعبہ زندگی میں صراط مستقیم یا دین فطرت کے مطابق چلنے اور دوسروں کی رہنمائی کے قابل ہوں نیز وہ ثبات و تغیر کے درمیان کامل توازن قائم کرے یعنی وہ نصاب دین کے ابدی اقدار کا بھی لحاظ رکھے اور انسانی معاشرے کی بدلتی ہوئی جائز ضرورتوں کو بھی پورا کرے۔ ان اصولی باتوں کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ:

الف: قرین مصلحت ہے کہ صدیوں قدیم کتابوں کو نصاب سے نکال دیا جائے اور ان کے بجائے استخراجی بنیادوں پر لکھی گئی جدید اور عام فہم کتابوں کوRecommend کیا جائے۔

ب: دینی تعلیم کی تمام سطحوں پر نصاب میں عصر حاضر کے مناسب حال مضامین شامل ہوں اور معاصر موضوعات و مسائل زیر بحث آنے چاہئیں تاکہ طلبہ ان مسائل و مباحث کو اسلامی تعلیمات کے مطابق حل کرنے کے قابل ہوں۔

حوالہ جات وحواشی

[1] سلطان محمود غزنوی کے زیر اثر تشکیل پانے والے نصاب کے لئے ملاحظہ ہو: ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، امر تسر، ۱۹۲۲ص:۹۴۔۹

2 مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، دہلی، ۱۹۴۴، جلد اول، ص۳۱۷

3 ایضاً، جلد اول، ص:۱۶۶

4 ایضاً، جلد اول، ص:۱۶۸

5 ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، امر تسر، ۱۹۲۲ص:۹۵

6 ملا نظام الدین سہالویؒ کے حالات زندگی اور خاندانی پس منظر کے لئے ملاحظہ ہوں: اردو دائرہ معارف اسلامیہ: جامعہ پنجاب لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۲، جلد نمبر ۲۲، ص۳۳۵تا۳۵۹؛مآثر الکرام: غلام علی آزاد، آگرہ، ۱۹۱۰، جلد نمبر اول، ص۲۲۰تا۲۲۴؛ سبحتہ المرجان: غلام علی آزاد، آگرہ، ص۹۴؛ مقالات شبلی: شبلی نعمانی، اعظم گڑھ، ۱۹۳۲ء، جلد۳، ص۹۱تا۱۲۵؛ نزھہ تہ الخواطر: حکیم عبدالحیٔ، حیدر آباد(دکن)، ۱۹۵۷ء، جلد۶، ص

۲۳۰ ومابعد، وص ۳۸۳ تا ۳۸۵؛ تذکرہ علمائے ہند: رحمان علی، ایوب قادری کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۳۹۰ ومابعد؛ رود کوثر: شیخ محمد اکرام، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۶۰۳ تا ۶۰۸؛ احوال علمائے فرنگی محل: شیخ الطاف الرحمن، لکھنو، ص ۹ ومابعد وص ۷۷

7 فرنگی محل ہندوستان کے مشہور شہر لکھنو میں ایک رہائشی علاقے کا نام تھا جو مغل بادشاہ جہانگیر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک معاہدہ کے تحت دیا تھا، جہانگیر اس زمانے میں کسی بیماری میں مبتلا ہوا تو کئی مقامی طبیبوں نے اس کا علاج کیا لیکن صحت یاب نہ ہوا۔ ایک انگریز ڈاکٹر کے علاج سے شفایاب ہوئے۔ اس پر جہانگیر نے خوش ہو کر پوچھا کہ کیا چاہیے؟ ڈاکٹر نے کہا کہ میری قوم کے کچھ لوگ یہاں لکھنو میں تجارت کے لئے آئے ہیں ان کو بعض اوقات مشکلات پیش آتی ہیں اس لئے آپ ان کو تجارت کی آزادانہ اجازت دے دیں اور رہائش اور تجارتی امور میں مناسب مراعات بھی جاری فرما دیں۔ اس پر جہانگیر نے شاہی فرمان جاری کیا اور لکھنو کے محلہ " احاطہ چراغ بیگ " میں ایک بڑا محل یا کوٹھی ان کو دے دی، انگریزوں کو غیر منقسم ہندوستان میں فرنگی بھی کہا جاتا تھا، اس لئے انگریزوں کی وجہ سے وہ کوٹھی " فرنگی محل " کہلاتی تھی اور پھر آگے چل کر فرنگی محل کی وجہ سے وہ پورا محلہ فرنگی محل کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک عرصے کے بعد اورنگ زیب بادشاہ [۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء] کے دور میں ان کو اطلاع ملی کہ انگریزوں کی طرف سے شاہی فرمان میں دی گئی ان شرائطوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے جو جہانگیر نے اپنے دور میں طے کیں تھیں اس پر اورنگ زیب نے وہ کوٹھی ضبط کر لی اور بعد ازاں اسی فرنگی محل کا ایک حصہ ملا نظام الدین سہالویؒ کو رہائش کے لئے دیا، اور ایک حصے میں اورنگ زیب کے مشورے پر انہوں نے اپنا حلقہ درس قائم کیا جو تاریخ میں مدرسہ فرنگی محل کے نام سے مشہور ہوا۔ اس درس گاہ کے فارغ التحصیل علماء تاریخ میں علمائے فرنگی محل کہلائے۔ ملاحظہ ہو: مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم: خطبات و تقاریر: ڈاکٹر محمود احمد غازی مرتب ڈاکٹر سید عزیز الرحمن، الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ ۲۰۰۹ء، ص ۲۱۰۔۲۰۹

8 درس نظامی کے مضامین اور ان کے مقررہ کتب کے لئے ملاحظہ ہوں: اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۲۲، ص ۳۳۵ تا ۳۵۹؛ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۸، ص: ۶۰۵؛ پروفیسر بختیار حسین صدیقی، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۹، ص: ۲۰؛ شبلی نعمانی، مقالات شبلی، جلد ۳، ص: ۱۲۴؛ تذکرہ مصنفین درس نظامی: پروفیسر اختر راہی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۸

9 مقالات شبلی، جلد ۳، ص: ۱۲۴؛ برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص: ۲۴؛ ڈاکٹر محمود احمد غازی، مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ۲۰۰۹، ص: ۴۸

10 اس کتاب کے تفصیلی تعارف کے لئے ملاحظہ ہو: مولانا محمد حنیف گنگوہی، ظفر المحصلین باحوال المصنفین، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۸۴، ۲۵۸

11 ظفر المحصلین، ص: ۲۵۹

12 مقالات شبلی، جلد ۳، ص: ۱۲۴؛ برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص: ۲۴؛ مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ۲۰۰۹، ص: ۴۸

13 برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص: ۲۲

14 ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، جلد ۱، ص: ۲۴۰

15 مقالات شبلی، جلد ۳، ص: ۱۰۰

16 برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص:۲۱۔رود کوثر، ص۶۰۶

17 ڈاکٹر محمود احمد غازی، امسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ۲۰۰۹، ص:۱۹

18 مآثر الکرام، ص:۸۴۔۸۹ بحوالہ ڈاکٹر محمد امین، ہمارا دینی نظام تعلیم ، دارالاخلاص، لاہور، ۲۰۰۴، ص:۲۱۷. محب الہ آبادی (۱۰۵۸ھ ۔۱۶۴۸ء) نامور بزرگ صوفی حضرت فرید شکر گنج کی اولاد میں سے تھے جن کا سلسلہ نسب خلیفہ دوم حضرت عمرؓ سے ملتا ہے۔ محب اللہ عالم بھی تھے اور صوفی بھی۔انہون نے ابن العربی کے نظریات کی اس قدر تشہیر کی کہ ان کو ابن عربی ہند کا خطاب دیا گیا۔انہوں نے اپنی کئی تصانیف چھوڑی ہیں۔انہوں نے قرآن حکیم کی تفسیر بنام المراتب الاربعہ لکھی۔تصوف وہ نظریہ وحدت الوجود کے قائل اور پرزور وکیل تھے اور اسی نظریے کے تحت انہوں نے تصوف میں "التسویۃ بین الافادۃ والقبول" نامی کتاب لکھی جس کی بعد ازاں کئی شروحات لکھی گئیں(ڈاکٹر زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۷، ص:۱۰۷، ۷۴۔

19 رود کوثر، ص:۶۰۶

20 ماہ نامہ " البلاغ" شمارہ شوال ۱۴۰۳ھ ج۱۷ ص۵۷۹ بحوالہ ہمارا تعلیمی نظام، محمد تقی عثمانی، مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴، ۲۰۰۲ء ص۱۲۶

21 ماہنامہ مد البلاغ، جمادی الاخریٰ، ۱۴۰۴ھ، جلد نمبر ۱۸، ص۳۲۳ بحوالہ ہمارا تعلیمی نظام: محمد تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴، ۲۰۰۲، ص۹۹

22 محمد تقی عثمانی، ہمارا تعلیمی نظام، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۰۲، ص:۹۹

23 مقالات شبلی جلد سوم، ص۱۰۵

24 رود کوثر، ص۶۰۶

25 الندوہ، جلد نمبر ۱۲، دسمبر ۱۹۱۰ء، بحوالہ مقالات شبلی، جلد نمبر ۳، ص۱۱۵۔

26 مقالات شبلی، جلد ۳، ص۱۰۸

27 اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور طبع دوم، ۲۰۰۲ء، جلد نمبر ۲۲، ص ۳۳۵۔۳۵۹، زیر عنوان مقالہ نظام الدین سہالویؒ از محمود الحسن عارف

28 مسلمانوں کا دینی وعصری نظام تعلیم، ص:۶۱

29 رود کوثر، ص۶۰۶